تعارف کتب فتاوی

استفتاء اور فتوی

علامہ مولانا محمد جلال الدین قادری

استفتاء اور فتوی کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی پرانی تاریخ اسلام کی ہے۔ قرآن مجید فرقان حمید کے نزول کے دوران صحابہ کرام علیہم الرحمۃ والرضوان نے بعض امور سے متعلق حضور پرنور سید عالم ﷺ سے شرعی حکم دریافت فرمایا تو اسی وقت بعض اوقات اللہ تعالی جل وعلا نے قرآن مجید میں اس کا جواب نازل فرمایا اور اکثر اوقات خود شارعِ اسلام علیہ التحیۃ والسلام نے حکم شرعی واضح فرمایا۔ قرآن مجید کی متعدد آیات اور احادیث کثیرہ میں یہ صورت حال ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

نبی اکرم رسول معظم ﷺ کے وصال پرملال کے بعد صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین کے دور میں شرعی امور میں استفتاء طلب کیے جاتے رہے اور مقتدر صحابہ کرام اور جلیل القدر ائمہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین ان کو جواب عطا فرماتے رہے۔ یہی جواب فتاوی کہلائے۔ یہ سلسلہ سوال اور جواب کا وہیں نہیں رکا بلکہ اب تک جاری ہے اور انشاء اللہ قرب قیامت تک جاری رہے گا۔

استفتاء کرنے والے کبھی اپنی ذات سے متعلق پیش آمدہ صورت حال سے سوال کرتے اور کبھی معاشرہ کو پیش آمدہ اجتماعی صورت حال سے سوال کرتے۔ مفتی انہیں حسب حال شرعی اصول وقواعد کی روشنی میں جواب عطا فرمادیتا۔ اس طرح بعض فتاوی کا تعلق ایک شخص سے ہوتا ہے اور بعض کا تعلق اجتماعی طور پر معاشرے سے۔ فتاوی کی اہمیت اور قدر وقیمت دونوں صورتوں میں یکساں ہوتی ہے مگر اثر ونفوذ کے اعتبار سے ثانی الذکر فتاوی ہمہ گیر اثر رکھتے ہیں۔ ایسے فتاوی بعض اوقات معاشرے سے کسی برائی کو ختم کر دیتے ہیں۔ بعض اوقات ان کا اثر ونفوذ اتنا بڑھ جاتا ہے کہ اس سے مقتدر اعلی کے اقتدار پر زد پڑتی ہے اور یہ بھی دیکھا گیا کہ فتاوی سے بعض اوقات حکمرانی تبدیل ہوگئی۔ یہ مقام اختصار ہے ورنہ اس کی کثیر مثالیں تاریخ میں موجود ہیں جن کو یہاں درج کیا جاسکتا ہے۔

فتاوی کی ایک حیثیت زبانی اور ایک تحریری ہے۔ مستفتی نے سوال اگر زبانی کیا تو مفتی نے اس کا جواب زبانی دے دیا اور اگر مستفتی نے تحریری سوال کیا تو اس کا جواب مفتی نے تحریری دے دیا۔ زبانی سوال وجواب کا انضباط بہت دشوار امر ہے۔ البتہ تحریری فتاوی کی جمع وتالیف اور ترتیب قدرے آسان ہے۔

درج بالا حقیقت کے پیش نظر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسلامی تاریخ میں کتب فتاوی لاتعداد وبیشمار مرتب وموجود ہوں مگر شاید ایسا نہیں۔ اس کی وجہ وہی ہے جو اسلامی کتب تفاسیر، احادیث، فقہ، تاریخ، شروح کے ساتھ حادثہ ہوا یعنی وہ قلمی مسودات کا ایک معتد بہا حصہ ضائع ہو چکا ہے۔ بعض حصہ اسلام دشمن حکمرانوں کے حملوں کی نذر

آدم ھر چہ دارد از پیش قنداق دارد ☆ تخم مرغ دزد، شتر دزد می شود

ہو چکا ہے۔ یہ بات تو بطور ضرب المثل کہی جاتی ہے کہ تاتاریوں کے حملوں سے عروس البلاد بغداد مقدس کا نایاب اور کثیر علمی ذخیرہ دریائے دجلہ کی نذر ہوا جس سے قلمی مسودات کی روشنائی سے دریائے دجلہ کا پانی سیاہ ہوگیا تھا۔ ایسے بیسیوں حادثات اسلامی کتب کے ساتھ ہو چکے ہیں۔ تاہم بحمدہ تعالیٰ اسلامی کتب کا ایک معتد بہا قیمتی ذخیرہ کسی نہ کسی طرح محفوظ رہ سکا ہے۔ چنانچہ دیگر کتب اسلامیہ کے ساتھ ساتھ کتب فتاوی کی ایک کثیر مقدار قلمی یا مطبوعہ صورت میں موجود ہے۔

فتوی کیا ہے اور اس کی مذہبی، دینی اور معاشرتی حیثیت کیا ہے؟ یہاں ان امور کے بیان کا موقع نہیں۔ مختصرا یوں جان لیجئے ایک شخص یا معاشرہ کو درپیش صورت حال میں اسلامی حکم جاننے کی کوشش استفتاء ہے اور اس صورت حال میں کتاب وسنت اور اقوال ائمہ وفقہاء کی روشنی میں کسی عالم دین کا شرعی جواب فتوی کہلاتا ہے۔ گویا فتوی کو ایک شخص یا ایک معاشرہ کی دینی، معاشرتی، معاشی اور سماجی زندگی میں بنیادی اہمیت حاصل ہے۔

زیر نظر فتاوی کی کتاب مسمی بہ ''فتاوی دیداریہ''، تین مفتیان کرام کے فتاوی کا مجموعہ ہے۔

۱۔ مولانا مفتی محمد رمضان صاحب۔

۲۔ مولانا مفتی سید محمد اعظم شاہ صاحب۔

۳۔ مولانا مفتی سید ابو محمد محمد دیدار علی شاہ صاحب۔

تینوں مفتیان کرام جامع مسجد اکبر آباد (آگرہ) کے خطیب اور مفتی ہیں۔ جو یکے بعد دیگرے مذکور مسجد میں افتاء اور خطابت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ جس رجسٹر میں تینوں مفتیان کرام کے فتاوی درج ہیں اس کا دورانیہ جنگ عظیم اول کا زمانہ (۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۹ء) ہے۔

اول الذکر دو مفتیان کرام کے حالات فقیر غفرلہ القدیر (راقم السطور) کو معلوم نہیں۔ البتہ تیسرے مفتی نبراس المحدثین استاذ العلماء والمدرسین مولانا سید ابو محمد محمد دیدار علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حالات کتب تذکرہ میں موجود ہیں۔ یہ وہی ہیں جنہیں امام احمد رضا سے خلافت واجازت حاصل تھی۔ ہاں یہ وہی ہیں جو بعد میں مرکزی دار العلوم حزب الاحناف لاہور ہند (اور اب پاکستان) کے بانی ہیں۔

تینوں مفتیان کرام کے فتاوی کی کیفیت وکمیت بھی مختلف ہے۔

اول الذکر مفتی مولانا محمد رمضان صاحب کے فتاوی بہت قلیل ہیں۔ جو انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں۔ ان کے فتاوی تحریر کرنے کا انداز بھی مختصر ہے۔ وہ مختصر عبارت میں (اور بکثر اوقات) بغیر حوالہ کتب فقہ وغیرہ کے فتوی تحریر کردیتے ہیں۔

ثانی الذکر مفتی مولانا سید محمد اعظم شاہ صاحب کے فتاوی اول الذکر مفتی کے فتاوی سے ذرا زیادہ ہیں۔ مجموعی طور پر وہ بھی قلیل ہیں۔ مگر ان کا انداز تحریر قدرے مفصل ہے وہ کتب حوالہ جات سے اپنی تحریر کو مزین کرتے ہیں۔

ان اخاک من واساک ☆ دوست آن باشد کہ گیرد دست دوست در پریشان حالی و درماندگی

ثالث الذکر مفتی مولانا سید ابومحمد محمد دیدار علی شاہ صاحب کے اکثر فتاوی طویل ہیں۔ وہ قرآن مجید کی آیات کریمہ، احادیث طیبہ، اقوال ائمہ اور کتب فقہاء اور شروح محدثین کے کثیر در کثیر حوالہ جات سے اپنے موقف کو مستفتی کے لیے واضح کرتے چلے جاتے ہیں۔ بعض اوقات ائمہ کرام اور فقہائے عظام کے اختلاف کو بڑی شرح وبسط سے بیان کردیتے ہیں اور ان اختلافات کی روشنی میں جواب فتوی کے مختلف پہلو واضح کردیتے ہیں۔ (اگر چہ یہ امر علماء کی عظمت کا نشان ہے مگر بعض اوقات قاری اس سے الجھن محسوس کرتا ہے)

''فتاوی دیداریہ،، کے چند فتاوی سے اتفاق مشکل ہے۔ مگر یہ امر باعث قدح نہیں۔ مفتی اگر اخلاص، للّٰہیت اور ممکنہ تحقیق کے بعد جواب دے اور وہ جواب دیگر جمہور فقہائے امت اور مفتیان ملت کے خلاف واقع ہو تو اس کو خطائے اجتہادی کے مانند محمول کرنا چاہئے۔ مفتی مذکور باوجود خطا کے ماجور ومثاب ہوگا۔ انشاء اللہ العزیز

''فتاوی دیداریہ،، میں بعض وہ فتاوی ہیں جن کی بناپر مروجہ کچہریوں میں فیصلے ہوئے جس کا صریح مفہوم یہ ہے کہ مولانا سید ابومحمد محمد دیدار علی شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کے فتاوی کو عوام وخواص کے علاوہ مروجہ کچہریوں (عدلیہ) میں قابل حجت تسلیم کیا جاتا ہے۔

بعض فتاوی وہ ہیں جن کا بالواسطہ تعلق مروجہ کچہریوں سے تھا۔ وہ یوں کہ اوقاف، مساجد، مدارس وغیرہ کے مقدمات کے مصارف پورے کرنے سے متعلق فتوی دیا۔ بعض فتادی کا تعلق مسلمانوں کے اجتماعی معاملات سے متعلق تھا۔ مثلاً عیدگاہ یا جامع مسجد میں سائلین کے سوال کرنے اور ان کی امداد کرنے والوں سے متعلق شرعی احکام کا واضح کرنا ہے۔

غرضیکہ ''فتاوی دیداریہ،، کتب فتاوی میں ایک قابل قدر اضافہ ہے۔ لیکن اس کی موجودہ افادیت کی صورت گری کا سہرا برادرم محترم علامہ مولانا مفتی محمد علیم الدین نقشبندی مجددی مدظلہ العالی کی گراں قدر، مشکل اور مسلسل مساعی جمیلہ کا مرہون منت ہے۔

مفتی محمد علیم الدین مجددی مدظلہ العالی نے فتاوی کے رجسٹر کو بنظر عمیق پڑھا۔ شکستہ خط اور بوسیدہ ہونے کے باعث پڑھنے میں جو مشکل پیش آئی وہ صرف وہی جانتے ہیں دوسرا اس مشکل کا اندازہ نہیں کرسکتا۔ ہاں وہ حضرات جو اس نوعیت کے مخطوطے مرتب کرتے ہیں وہ اس سے واقف ہیں۔

رجسٹر فتاوی پڑھ لینے کے بعد جو مراحل مفتی مراتب نے طے کیے ان کا مختصر تعارف (جو فقیر غفرلہ راقم السطور کی سمجھ میں آیا) یوں ہے۔

۱۔ رجسٹر فتاوی اسی ترتیب سے ہے جس ترتیب زمانی سے مستفتی نے سوال کیا ظاہر ہے کوئی عبادات سے متعلق سوال کرتا ہے کوئی معاملات سے متعلق، کوئی مناکحات سے متعلق سوال کرتا ہے کوئی میراث کے بارے میں فتوی پوچھتا ہے۔ جس ترتیب زمانی سے جس نے جو سوال پوچھا اسی ترتیب سے جواب رجسٹر میں نقل کردیا۔ یہ مجموعہ

فقہی ابواب سے یکسر مختلف تھا۔ قاری کے لیے اس سے استفادہ بہت دشوار تھا۔ مرتب مفتی صاحب نے تمام فتاوی کو فقہی ابواب پر مرتب کردیا ہے۔ اب اس سے قاری کے لیے استفادہ نہایت آسان ہے۔ وہ اپنی پسند کا باب کھول کر پڑھ سکتا ہے۔

۲۔ مفتیان کرام نے فتوی کے دوران جن کتب کا حوالہ دیا ہے ان میں اکثر اوقات کتاب کا باب اور صفحہ درج نہیں اور نہ یہ درج ہے کہ متعلقہ کتاب کس مطبع کی ہے۔ مرتب موصوف نے حوالہ جات کی تخریج بڑی عرق ریزی سے کردی ہے۔

۳۔ عربی یا فارسی عبارات مندرجہ فتاوی، جن کا ترجمہ مفتیان کرام نے نہیں کیا مرتب موصوف نے ان کا سلیس اردو ترجمہ کردیا ہے تاکہ قاری کے لیے آسانی پیدا ہوجائے۔

۴۔ بعض مقامات پر عربی یا فارسی عبارت کا ترجمہ مفتیان کرام نے کیا ہے مگر وہ درست نہیں۔ مرتب موصوف نے اس ترجمہ کی تصحیح حاشیہ میں کردی ہے۔

۵۔ بعض مقامات پر مفتیان کرام نے جس کتاب کا حوالہ درج کیا ہے اصل کتاب میں وہ حوالہ ان الفاظ سے نہیں۔ مرتب موصوف نے حاشیہ میں کتاب متعلقہ کے اصل الفاظ نقل کردیے ہیں۔

۶۔ بعض اوقات مفتیان کرام نے جو عبارت کسی کتاب سے بطور حوالہ نقل کی وہ عبارت اس کتاب کی نہیں بلکہ کسی اور کتاب کی ہے۔ مرتب موصوف نے اصل کتاب کی نشان دہی فرمادی ہے۔

۷۔ مرتب موصوف، جو بذات خود مفتی ہیں، نے جہاں کہیں فتوی جمہور فقہائے امت کے خلاف ملاحظہ کیا اس کی تصحیح حاشیہ میں کردی ہے۔

اس نوعیت کی کثیر مساعی ہیں جن کا حوالہ اصل مرتبہ ''فتاوی دیداریہ،، ہیں جابجا ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

۸۔ اصل مجموعہ فتاوی میں بوجہ بوسیدگی یا شکستگی جو کلمات پڑھے نہ جاسکے مرتب موصوف نے انہیں اندازہ سے درج کیا ہے مگر حاشیہ میں صاف وضاحت کردی ہے کہ یہ کلمہ انداز اسیاق وسباق کے پیش نظر لکھا گیا ہے۔

۹۔ مفتیان کرام نے بعض اوقات کسی عبارت کے لیے ایک حوالہ درج کیا ہے۔ مرتب موصوف نے وہی عبارت دیگر کتب میں موجود ہونے کی نشان دہی کردی ہے۔

۱۰۔ ایک اہم کام مجموعہ فتاوی کی تفصیلی فہرست درکار تھی جو مرتب موصوف نے نہایت عرق ریزی سے فقہی ابواب پر مرتب فرمادی ہے۔ فہرست پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ فلاں مسئلہ یا فتوی کہاں اور کس صفحہ پر ہے۔

یہ تمام کوششیں قاری کی سہولت کے لیے کی گئی ہیں اور ساتھ یہ بھی مقصد ہے کہ مفتیان کرام کا وہ مجموعہ از سر نو زندہ ہوسکے۔ فجزاہ اللہ تعالی احسن الجزاء آخر میں یہ فقیر ناتواں مرتب موصوف مولانا مفتی محمد علیم الدین نقشبندی مجددی کی بے مثال کوششوں کو بنظر تحسین دیکھتے ہوئے انہیں اس فتاوی کی ترتیب پر مبارک باد پیش کرتا

از مکافات عمل غافل مشو ☆☆☆ گندم از گندم بروید جوز جو

ہے۔ مولی تعالی اپنے حبیب کریم ﷺ کے طفیل ان کی مساعی مقبول فرمائے اور یہ فتاوی امت مسلمہ کے لیے مفید فرمائے۔ آمین بجاہ طہ ویس صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم وکرم وشرف۔

……

کتاب کا نام: منہاج لاہور: اپریل ۱۹۹۰ء: مضمون کا نام: اصول فقہ اسلام: صفحہ نمبر: ۱۴۹

تاریخ: 09.04.2014

اصول فقہ اسلام

ملک ظہور احمد ایڈووکیٹ ہائیکورٹ

تعارف واہمیت:

اسلام دین فطرت ہے اور انسانی رہنمائی کے۔ لیے زندگی کے ہر شعبے میں ایسے زریں اصول پیش کرتا ہے۔ جن کی روشنی میں قیامت تک آنے والی نسلوں اور نت نئے ابھرنے والے مسائل کا حل موجود ہے۔ یوں تو دنیا میں آغاز آفرینش ہی سے مختلف اقوام وملل میں باہمی معاملات کو حل کرنے کے لیے قانون کسی نہ کسی صورت میں موجود رہا۔ لیکن دنیا کے مختلف قوانین اور قانون اسلامی میں اساسی فرق یہ ہے کہ یہاں عقل ودانش کو وحی والہام کی دستگیری حاصل ہے۔

قرآن حکیم اور سنت رسول اکرم ﷺ میں اصول تو موجود ہیں، لیکن مسائل کی جزئیات اور نئے ابھرنے والے مسائل کی تفصیلات موجود نہیں۔ چنانچہ امت مسلمہ کے اکابر علماء اور فقہاء نے اس سلسلے میں گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔

قرآن حکیم چونکہ عربی زبان میں نازل ہوا جو نہایت ہی فصیح وبلیغ اور وسیع المعانی زبان ہے۔ لہذا فہم قرآن کے لئے اور اس کی غرض وغایت اور اس کے مقاصد عالیہ پر عمل پیرا ہونے کے لیے فقہاء کرام نے استخراج مسائل کے لیے باقاعدہ ایک علم مدون کیا جو علم اصول فقہ کہلاتا ہے۔ علامہ ابن خلدون اپنے مقدمہ میں اصول فقہ کی اہمیت اور اس کی قدر ومنزلت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اصول فقہ علوم شرعیہ کے بلند مرتبہ اور جلیل القدر علوم میں سے ہے جس کے بڑے فائدے ہیں اور یہ علم ادلہ شرعیہ میں اس حیثیت سے غور وفکر کا نام ہے کہ ان (ادلہ) سے استنباط احکام کیا جاسکے اور ادلہ شرعیہ کے اصل الاصول کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ ہیں،،[1]

ابن ساعد انصاری نے ''ارشاد المقاصد،، میں اصول فقہ کا تعارف اس طرح کرایا ہے کہ یہ وہ علم ہے جس سے شریعت کے عملی احکام کے مطالب کی پختگی اور ان احکام کے استنباط کا طریقہ معلوم ہو اور ان کے دلائل کے مواد اور غور وفکر کرکے ان کے استخراج کی معرفت حاصل ہو۔ دور نبوی ﷺ میں مسلمانوں کو شرعی احکام اس وحی

قرآن کے ذریعہ، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتی تھی اور اس وحی کی براہ راست رسول اللہ ﷺ کی قولی وعملی تشریح وتفسیر کے ذریعہ پہنچتے رہے اور مسلمانوں کو نقل وخبر کی ضرورت تھی اور نہ فکر ونظر اور قیاس کی حاجت تھی، لیکن رسول اللہ ﷺ کے بعد براہ راست نبوت سے اکتساب ناممکن ہوگیا اور قرآن تواتر کے ساتھ سینوں اور صحیفوں میں محفوظ ہوگیا۔

رہی سنت، تو اس کے بارے میں صحابہ کرامؓ کا اس بات پر اجماع ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ہر وہ قول یا فعل واجب العمل ہے جو اس طرح بنقل صحیح (وہ قول یا فعل اصول روایت پر پورا اترے) ہم تک پہنچے کہ اس کے صدق کا ظن غالب حاصل ہوجائے اور کتاب وسنت کی دلالۃ شرعیہ اس کے معتبر ہونے کو متعین کردے یعنی اصول روایت کی رو سے بھی روایت وثوق واعتماد کی حامل ہو۔

پھر اجماع صحابہؓ ان دونوں (کتاب وسنت) کے قائم مقام ہوتا ہے، کیونکہ صحابہؓ نے بالاتفاق اجماع صحابہؓ کی مخالفت کو قابل نکیر وملامت قرار دیا ہے اور ایسا ہونا بھی چاہیے۔ اس لیے کہ کسی حکم شرعی پر اجماع بلا سند نہیں ہوسکتا (یہ اور بات ہے کہ دلیل وسند کا علم دوسروں کو نہ ہو یا نہ ہوسکا ہو) اور یہ ناممکن ہے کہ صحابہ جیسی پوری جماعت بغیر کسی ثابت شدہ دلیل کے حکم شرعی پر اتفاق کرلیں، مزید برآں اس بات کی شہادت موجود ہے کہ پوری ''الجماعۃ،، کا متفقہ فیصلہ غلطی خطاء سے معصوم ومامون ہوتا ہے۔ حدیث نبوی ہے کہ

لن تجتمع امتی علی الضلالۃ۔

یعنی میری امت ضلالت وگمراہی پر مجتمع نہیں ہوسکتی۔ یوں اجماع ادلۂ شرعیہ میں سے ایک دلیل قرار پایا۔[۲]

پھر ہم دیکھتے ہیں کہ صحابہ اور ان کے بعد کے ہمارے اسلاف کرام کا کتاب وسنت سے طریقہ استدلال یہ تھا کہ وہ اشباہ کو اشباہ پر اور نظائر کو نظائر پر قیاس کیا کرتے تھے، یہ قیاس اجتماعی طور پر بھی ہوتا تھا اور انفرادی طور بھی اور انفرادی صورت میں ایک کی رائے کو دوسرا تسلیم کرتا تھا اور ایسا کرنا اس لیے ضروری ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بہت سے معاملات ایسے وقوع پذیر ہوئے کہ ان کے بارے میں کتاب وسنت کے نصوص خاموش تھے، اس لیے انہوں نے رونما ہونے والے ان مسائل کو ان جیسے ایسے مسائل پر قیاس کیا جن کا حکم ثابت تھا اور پیش آمدہ مسائل کا منصوص الحکم مسائل سے الحاق کیا اور اس الحاق کے باب میں ایسی شرائط رکھیں جن سے باہم مشابہت یا مماثلت رکھنے والے مسائل کے درمیان صحیح مساوات قائم ہوکر ظن غالب حاصل ہوجاتا ہے کہ دونوں کے باب میں حکم الٰہی ایک ہی ہے، اس طرح یہ قیاس اجماع صحابہ کے بعد ادلۂ شرعیہ میں سے چوتھی دلیل شرعی قرار پایا۔ اور جمہور علماء اس بات کے حق میں ہیں کہ قیاس ادلۂ شرعیہ میں سے ہے، اگرچہ بعض حضرات نے اجماع اور قیاس کے دلائل شرعیہ میں سے ہونے سے اختلاف کیا ہے، لیکن یہ اختلاف اتنا شاذ ہے کہ کسی شمار واعتبار کے قابل نہیں۔

☆ درناامیدی بسی امیداست.......... پایان شب سیہ سپیداست ☆

اس سے یہ بات سامنے آ گئی ہوگی کہ اس فن کی سب سے پہلی بحث اس بات کے ثبوت میں ہے کہ یہ چاروں یعنی کتاب، سنت، اجماع، قیاس کس طرح ادلہ شرعیہ ہیں۔ تو جہاں تک کتاب اللہ کا تعلق ہے۔ تو اس کے دلیل شرعی ہونے میں کسی کو کیا کلام ہوسکتا ہے۔ جب کہ اس کا متن جو معجزہ ہے۔ قطعی الثبوت ہے اور تواتر کے ساتھ اس کا ایک ایک لفظ منقول ہے۔

رہی سنت، تو جیسا کہ ہم پہلے کہہ آئے ہیں کہ صحت کے ساتھ منقول ہو کر پہنچنے والی سنت کے واجب العمل ہونے پر صدر اسلام سے لے آج تک پوری امت کا اجماع ہے۔ مزید برآں کسی کو بھی اس سے مجال انکار نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ملک کے اطراف وجوانب میں آپ کے ارسال کردہ وہ مکاتیب ومراسلات واجب العمل قرار پائے جو احکام شریعت اور اوامر نواہی پر مشتمل تھے۔ (یہاں مکاتیب ومراسلات نبوی ﷺ کے تذکرہ کا مدعا یہ نہیں ہے کہ علم کا قابل اعتماد ذریعہ بس لے دے کر کتابت ہی ہے، بلکہ مقصد یہ بتانا ہے کہ اپنے اندر اعتماد ووثوق رکھنے والے جس ذریعہ سے بھی سنت کا علم حاصل ہوگا، وہ واجب العمل ٹھہرے گا، جیسا کہ وہ مکاتیب ومراسلات واجب العمل قرار پائے کہ کتابت بھی قابل اعتماد ذرائع میں سے ایک ذریعہ ہے اور اس کی تائید علامہ ابن خلدون کے ان جملوں میں موجود ہے جو سنت کے باب میں ابھی چند سطریں پہلے کہہ چکے ہیں اور ابھی چند سطروں کے بعد وہ پھر اس کے بارے میں تھوڑی سی وضاحت کریں گے)

یہی حال اجماع کا ہے، اس کے واجب القبول ہونے پر بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مکمل اتفاق ہے اور اجماع صحابہ کی مخالفت ملامت کی سزادار قرار پائی۔ ساتھ ہی (حدیث میں) ثابت ہے کہ امت مسلمہ خطا اور غلطی پر اتفاق کر لینے سے معصوم ومامون ہے۔

اب رہ جاتا ہے قیاس، تو اس کے دلیل شرعی ہونے پر بھی صحابہ کا اجماع ہے۔ پس یہ ہیں چار ادلہ شرعیہ یعنی الکتاب۔ السنۃ، الاجماع۔ القیاس سنت کے باب میں یہ بات ملحوظ رہنی چاہیے کہ جو احادیث وسنن رسول اللہ ﷺ سے مروی ہیں، ان کو تسلیم کرنے سے پہلے نقل وروایت کے طریق اور راویوں کی عدالت کی تحقیق ضروری ہے، تاکہ ان کی صحت وصدق کا وہ ظن غالب حاصل ہو جائے جس پر وجوب عمل کا مدار ہے اور یہ بھی فن کے قواعد میں سے ہے، اسی کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ جب دو روایتوں کے درمیان تعارض واقع ہو تو معلوم کیا جائے کہ زمانے کے لحاظ سے کون سی روایت مقدم ہے۔ اس طرح ناسخ ومنسوخ کی معرفت اس فن کے فصول وابواب میں سے قرار پاتی ہے۔ پھر اس کے بعد الفاظ کی دلالت میں غور وخوض بھی ضروری ہے (اور یہ اس لئے کہ کلام کی ترکیبوں سے معانی کا استفادہ کرنا اس پر موقوف ہے کہ مفرد الفاظ اور مرکب فقروں کی وجہ دلالت کی معرفت حاصل ہو اور اس بات میں جو قوانین لسانیہ مدون ہوئے ہیں، وہ علم نحو۔ علم صرف اور علم البیان کے نام سے منضبط ہیں اور جب تک عرب کو اپنی زبان میں ملکہ حاصل رہا، اس وقت تک نہ ان علوم (علم

نحو وغیرہ) کی ان کو ضرورت تھی اور نہ وہ قوانین کی روشنی میں کلام کو سمجھا کرتے تھے اور نہ اس وقت فقہ ان چیزوں کی محتاج تھی، اس لیے کہ لفظ کی وضعی دلالت کی معرفت کے لیے جبلی طور پر ملکہ لسانی بہت کافی ہے۔ لیکن جب زبان کے ملکہ میں اضمحلال وفتور آ گیا تو مہارت اور درک وبصیرت رکھنے والے علمائے بتحرین نے صحیح صحیح منقولات لسانیہ کو سامنے رکھ کر اور صحیح طور پر مستنبط قیاس کو کام میں لا کر معولہ قوانین لسانیہ مدون کر کے مستقل علوم کی شکل دے دی اور پھر فقیہہ کو احکام الٰہی کی معرفت کے لیے ان علوم کو جاننا ضروری ٹھہرا،،۔

پھر چند سطروں کے بعد علامہ ابن خلدون کہتے ہیں کہ۔،،

’’یہ فن (اصول فقہ) ابتدائی زمانوں میں نہ تھا بلکہ بعد کی پیداوار ہے کیونکہ اس زمانے میں ہمارے اسلاف اس سے بے نیاز تھے اور انھیں الفاظ سے معانی کا استفادہ کرنے کے لیے اپنے فطری ملکہ لسانیہ سے زیادہ اور کسی چیز کی ضرورت نہ تھی، رہے وہ قوانین جن کی حاجت استنباط احکام میں ہوتی ہے، تو وہ ان پر از خود روشن تھے، اسی طرح وہ اسانید احادیث میں بحث ونظر کے بھی حاجت مند نہ تھے۔ کیونکہ وہ یا تو ہم زمانہ تھے یا قریب العصر اور ناقلین خبر (رواۃ) کے حالات سے پوری طرح واقف تھے، لیکن جب صدر اول اور اس سے ملحق ہمارے اسلاف کا زمانہ ختم ہوا اور تمام علوم صناعت کی منزل میں آئے ۔جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، تو فقہاء وقوانین کو ایسے قواعد وقوانین کی ضرورت لاحق ہوئی جن سے ادلہ شرعیہ سے استنباط احکام کے باب میں استفادہ کیا جا سکے، تو پھر انہوں نے ان سب کو ایک مستقل فن کی شکل میں مکتوب ومدون کیا، جس کا نام ’’اصول الفقہ،، رکھا گیا۔،، [۴]

ایک اور تعارف:

کشف الظنون ج اول ص ۱۱۳ میں مذکور ہے کہ:

’’واقعات اور نئے نئے مسائل کا رونما ہوتے جانا اگرچہ بجائے خود بے نہایت نہیں ہے کیونکہ یہ دنیا بے نہایت نہیں ہے اور دنیا کے اختتام ہی تک نت نئے مسائل کے ظہور ونمود کا قضیہ ہے، لیکن ان کی اکثریت اتنی ہے اور دنیا کے وجود تک ان کا تسلسل اور عدم انقطاع ایسا ہے کہ ان کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا اور مستقبل پر کسی کو دسترس حاصل نہیں ہے اس لیے کسی کو کیا معلوم ہو سکتا ہے کہ کب کس طرح کے مسئلہ سے دوچار ہونا پڑے۔ لہٰذا زمانے کے ہر دور میں وقوع پذیر ہونے والے ایک ایک مسئلہ کا جزوی حکم پہلے ہی سے معلوم نہیں ہو سکتا اور دوسری طرف یہ حقیقت بھی اپنی جگہ مسلم ہے کہ انسان کا ہر عمل شرعی حکم کے تابع ہونا چاہیے اور اس کا جو بھی حکم ہوگا، وہ بہر حال کسی نہ کسی دلیل سے بندھا ہوا ہوگا، جو اس سے مخصوص ہوگی، تو ان مسائل کے باب میں کچھ کلیات بنا دیے گئے ،جن کے موضوعات مکلفین کے افعال ہیں اور محمولات شارع کے احکام از قبیل وجوب وغیرہ ہیں، اور وہ علم جو دلائل شرعیہ سے حاصل شدہ ان احکام سے متعلق ہے، ’’فقہ،، کے نام سے موسوم کیا گیا۔

پھر علماء نے دلائل واحکام اوران کے عموم کی تفصیلات میں فکر ونظر کی، تو دیکھا کہ دلائل تو کتاب وسنت اوراجماع وقیاس کی طرف راجع ہوتے ہیں اوراحکام واجب، مندوب، حرام، مکروہ اور مباح کی طرف۔ ساتھ ہی انہوں نے ان احکام کے ان دلائل سے استدلال کی کیفیت پر بغیر تفصیلات میں گئے ہوئے۔ الا یہ کہ جہاں مثال کے طریق پر دیکھنے کی ضرورت ہو۔ اجمالی نظر ڈالی تو ان کے سامنے چند ایسے کلی قواعد آئے جو احکام کے ان دلائل کی اجمالی کیفیت استدلال سے متعلق تھے اور جن کا تعلق استدلال کے طریقوں کے بیان اوراس کے شرائط سے تھا اور یہ طرق وشرائط وہ تھے جن سے کام لے کر ان قواعد کے ذریعہ احکام کے تفصیلی دلائل سے بہت سے جزوی احکام کے استنباط کی راہیں کھلتی تھیں، توانہوں نے ان تمام قواعد وضوابط اور طرق وشرائط کو منضبط اور مدون کیا اور مزید کچھ امور کا اضافہ کیا اوراس علم کا جو ان قواعد وضوابط وغیرہ سے متعلق ہے ''اصول فقہ،، نام رکھا،،۔۵

اس میں شک نہیں کہ اصول فقہ ایک ٹیکنیکل مضمون ہونے کی وجہ سے کم دلچسپ ہے۔ لیکن یہ وہ موضوع ہے جس پر مسلمان بجاطور پر فخر کر سکتے ہیں۔ دنیا کی تاریخ قانون میں مختلف قوموں نے اپنی طرف سے کچھ نہ کچھ اضافہ کیا ہے۔ مسلمانوں کا سب سے بڑا کارنامہ غالبا اصول فقہ ہے۔ مسلمانوں سے پہلے بھی دنیا میں قانون موجود تھا۔ لیکن اصول فقہ جیسی چیز قانون میں کہیں نہیں ملتی اور آج بھی ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ ایک امتیازی اضافہ ہے، جس کی بدولت علم۶ قانون کی ایک بڑی کمی پوری ہوگئی ہے۔ ''خطبات بہاول پور۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ،،

فروغ دانش ما از قیاس است　　　قیاس ماز تقدیر حواس است

قرآن حکیم **افلا تعقلون ،لقوم یعقلون** اور **لعلکم تعقلون** متعدد بار فرما کر عقل کی طرف رجوع کرنے کی بار بار دعوت دیتا ہے۔

یہی عقل اللہ کی وہ عظیم القدر نعمت ہے جو اشرف المخلوقات انسان کو دوسری تمام مخلوقات سے ممتاز کرتی ہے، اسی عقل کے ذریعہ انسان حواس خمسہ سے حاصل کی ہوئی چیزوں کو سمجھتا ہے ان میں باہم امتیاز کرتا ہے۔ پھر ان سے بہت ساری غیر معلوم چیزوں کا علم حاصل کرتا ہے، اسی تحصیل کا نام تعقل ہے اور حاصل شدہ معلومات معقولات کہلاتے ہیں۔

اگر اسی عقل سے وحی الٰہی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سمجھنے میں کام لیں تو وہ تفقہ فی الدین کہلاتا ہے۔ سمجھنے کے بعد ان سے جو معلومات دینی حاصل کریں وہی اجتہادی معلومات مسائل فقہیہ اور امور دینیہ ہیں۔ اس لیے امام سیوطی نے فقہ کی تعریف اسی طرح کی ہے۔

الفقہ معقول من منقول منقول سے بذریعہ عقل حاصل کی ہوئی چیز فقہ ہے۔

اس تعریف کے بموجب جملہ معلومات شرعیہ فقہ میں داخل ہیں۔ خواہ ان کا تعلق اعتقادیات سے ہو یا وجدانیات وعملیات سے ہو۔ یہی وجہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کی طرف منسوب عقائد سے متعلق مشہور کتاب کا نام فقہ اکبر

☆ **بالملح یصلح مایخشی تغیرہ فکیف بالملح ان حلت بہ الغیر**

ہے۔ عہد صحابہ کے ختم ہو جانے پر جب ہر علم نے صناعت کی صورت اختیار کر لی تو اعتقادیات سے متعلق معلومات کا نام علم کلام ہو گیا، وجدانیات نے تصوف کا علم پیدا کیا۔ عملیات سے متعلق حصے کا نام علم الفقہ ہوا۔ اب علم فقہ کی تعریف اسی طرح مشہور ہوئی۔

العلم بالاحکام الشرعیۃ العملیۃ من ادلتھا التفصیلیۃ۔ یعنی، فقہ اُن احکام شرعیہ عملیہ کے علم کا نام ہے جو شریعت کے تفصیلی دلائل سے حاصل کئے گئے ہوں۔

ظاہر ہے کہ جب تدوین فقہ کا خیال ہوا ہوگا اور ادلہ سے مسائل کے استنباط پر غور کیا جا رہا ہوگا۔ تو ان اصول وقواعد کی تعیین کی بھی ضرورت محسوس کی گئی ہوگی جن کے ذریعہ احکام کا استنباط کیا جا سکے۔ فرض وواجب ،حرام، حلال اور مباح ومکروہ کے درجے قائم کئے جا سکیں۔ ان اصطلاحات، کا معیار قائم ہو سکے وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح اصول فقہ کا مدون ہونا ناگزیر تھا۔ ے

اغلب یہ ہے کہ تدوین فقہ کے ساتھ امام ابوحنیفہؒ نے اصول وضوابط کی طرف ضرور توجہ کی ہوگی۔ علامہ خضری مرحوم نے لکھا ہے امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے اصول فقہ پر کتابیں لکھیں۔ لیکن ہم کو ان کتابوں کا علم نہیں اور جو کچھ علم ہے وہ امام شافعی کا رسالہ اصول فقہ ہے۔ جس کو انہوں نے کتاب الام کے مقدمہ کے طور پر تالیف کیا اور وہ عام طور پر ملتی ہے۔ اس لیے اس علم کا اصلی سنگ بنیاد اور عظیم القدر ذخیرہ بحث ہم اسی کو خیال کرتے ہیں۔

امام شافعیؒ نے اپنی کتاب اصول فقہ میں کتاب وسنت ،اوامر، نواہی ،درجہ حدیث، نسخ، علل احادیث، خبر واحد، اجماع، قیاس، استحسان، اجتہاد اور اختلاف وغیرہ کے متعلق چند مباحث تفصیل کے ساتھ لکھے ہیں۔ بنیاد کا قائم ہونا ہی تھا کہ فقہاء کرام کی ایک جماعت نے اس طرف توجہ کی اور نہایت تنقیح وتحقیق کے ساتھ مسطول اور مختصر کتابیں لکھ کر اسلام کی بڑی خدمت کی۔

فن اصول پر جو کتابیں تالیف کی گئیں، ان کا طرز مختلف تھا، بعضوں نے متکلمانہ طریقہ پر کتابیں لکھیں، جن میں مؤلفین نے صرف قواعد کے بیان پر اکتفا کرتے ہوئے سارا زور استدلال ایراد وجوب پر صرف کیا ہے اور انہوں نے فقیہانہ طرز پر کتابیں تالیف کیں جن میں قواعد واصول کے ساتھ ان کی مثالیں اور نظائر بھی بیان کئے، نکات فقہ بیان کرنے کے بعد ان پر مسائل کی تفریع بھی کی۔

متکلمین کی روش پر جو کتابیں تالیف کی گئیں، ان میں سے چار کتابیں نہایت بلند پایہ ہیں۔

۱۔ کتاب البرہان	تالیف	امام الحرمین	(م ۴۷۸ھ)
۲۔ المستصفے	تالیف	امام غزالی	(م ۵۰۵ھ)
۳۔ کتاب العہد	تالیف	عبدالجبار معتزلی	(م ۶۵۵ھ)

ھرچہ بگندد نمکش می زنند ......☆...... وای بہ روزی کہ بگندد نمک

۴۔ کتاب العہد تالیف ابوالحسین بصری معتزلی (م۴۳۶ھ)

گویا یہ چار کتابیں اس فن کے ارکان ہیں۔

متاخرین میں سے امام رازی (م۶۰۶ھ) نے کتاب محصول اور سیف الدین آمدی (م۶۳۱) نے کتاب الاحکام میں گذشتہ چاروں کتابوں کا ملخص کیا، مگر دونوں کا طرز جداگانہ تھا۔ رازی کا میلان استدلال اور احتجاج کی جانب زیادہ رہا۔ آمدی کی توجہ تحقیق مذاہب اور تفریع مسائل کی جانب زیادہ رہی، پھر امام رازی کے شاگرد سراج الدین ارموی نے محصول کا اختصار کتاب تحصیل میں اور تاج الدین ارموی نے کتاب حاصل میں کردیا۔ پھر شہاب الدین قیروانی م۶۸۴ھ نے ان دونوں کتابوں سے چند مقدمات اور قواعد اقتباس کرکے ایک کتاب بنام تنقیحات تالیف کی۔ اسی طرح قاضی بیضاوی (م۶۸۵ نے منہاج نامی کتاب لکھی۔ ابن حاجب (م۶۴۶ھ) کتاب الاحکام کا اختصار کیا اور مختصر کبیر نام رکھا، پھر اس کے اختصار کا نام مختصر صغیر رکھا۔

فقیہانہ طرز پر زیادہ حنفیہ نے کتابیں لکھیں، اس سلسلے میں قدیم ترین کتاب ابوبکر جصاص (م۳۷۰ھ کی کتاب الاصول ہے۔

ابوزید ربوسی (م۴۳۰ھ) کی کتاب الاسرار اور تقویم الادلہ اس فن میں نہایت عمدہ کتابیں ہیں، چنانچہ قیاس کے متعلق شرح وسط کے ساتھ اس قدر مباحث لکھے کہ اس فن کو مہذب کرکے درجہ تکمیل تک پہنچا دیا اور اس کی اساس وبنیاد کو نہایت مستحکم کردیا۔

متاخرین حنفیہ میں فخر الاسلام بزدوی کی کتاب الاصول نہایت مستند کتاب ہے اور اب اس فن میں اساس وبنیاد کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کی سب سے اچھی شرح عبدالعزیز بخاری نے لکھی جس کا نام کشف الاسرار ہے اور وہ متداول ہے۔

امام سرخسی نے بھی اصول کی کتاب بہت ضخیم لکھی ہے۔ امام احمد ابن الساعاتی (م۶۹۴) نے اصول میں قواعد اور البدائع دو کتابیں لکھیں۔ انہوں نے احکام آمدی اور اصول بزدوی دونوں کو یکجا کردیا، جس سے عمدگی میں ان کی کتاب البدائع کی حیثیت دوبالا ہوگئی، اس لیے کہ متکلمانہ اور فقیہانہ دونوں طرز کو یہ حاوی ہے۔

حافظ الدین النسفی کی کتاب المنار مختصر متن جو اصول بزدوی کا ملخص ہے مشہور ومتداول ہے، اس کی شرح نور الانوار تالیف ملاجیون تمام مدارس میں داخل درس ہے۔

جلال الدین خبازی نے اصول فقہ میں المغنی لکھی جس کی شرح سراج الدین ہندی (م۷۷۳ھ) نے لکھی۔

تحریر ابن ہمام اور توضیح صدر الشریعہ بھی اس فن میں مشہور کتابیں ہیں۔ تحریر میں بدیع کی توضیح کی گئی ہے اور مؤلف نے اپنی ذاتی تحقیقات کا بھی اس میں اضافہ کردیا اور توضیح حقیقت میں کشف بزدوی کی تنقیح ہے اور اس کے ساتھ محصول اور مختصر ابن حاجب کے چند مباحث بھی ضم کیے گئے ہیں۔ علامہ تفتازانی نے توضیح کی

شرح لکھی، جس کا نام التلویح ہے۔ توضیح اور تلویح دونوں مشہور اور متداول ہیں۔

ہندو پاک میں اصول کی کتابیں اس وقت سلسلہ درس میں داخل ہیں، ان میں سے قاضی محبّ اللہ کی مسلم الثبوت عالی رتبہ کتاب سمجھی جاتی ہے۔ یہ تحریر ابن ہمام، مختصر ابن حاجب اور منہاج بیضاوی سے ماخوذ ہے اور بعض مقامات میں فاضل مصنف نے اپنے قول کا بھی اضافہ کیا ہے، اس کی سب سے بہتر شرح بحرالعلوم نے لکھی۔ اس کا نام فواتح الرحموت ہے جو مشہور ومتداول ہے۔ ۹

اسلامی فقہ کی ماخذ

فقہ اسلامی کا اطلاق دو معانی پر ہوتا ہے۔

۱۔ ان احکام شرعیہ کا جاننا جن کا تعلق عمل سے ہے (**العلم بالاحکام الشرعیۃ العملیۃ**) لیکن دلائل سے بے نیاز ہو کر محض ان احکام کے جان لینے کا نام فقہ نہیں ہے، بلکہ ان کے دلائل سے استمداد کرتے ہوئے ان کو ان کی تفصیلی معرفت حاصل ہونے کا نام فقہ ہے۔ پس اس معنی کی رو سے فقہ انسان کی ایک علمی صفت قرار پاتی ہے اور جب انسان اپنے اندر یہ صفت علمیہ پیدا کر لیتا ہے تو اسے فقیہہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

فقہ کی اس تعریف میں تین الفاظ استعمال کئے گئے ہیں، ہر ایک سے کیا مراد ہے، اسے اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔

الف: احکام: اس لفظ سے وہ ایجادات شرعیہ مراد ہیں، جن کی معرفت دلیل کی محتاج ہو، مثلاً فقہ کا ایک مسئلہ یہ ہے کہ غصب کردہ چیز کے تلف ہو جانے پر غاصب کے ذمہ اس کا تاوان دینا ضروری ہے اور دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ امانت رکھی ہوئی چیز کے تلف ہو جانے کی صورت میں امین پر اس کا تاوان نہیں، الاّ یہ کہ اس کی لاپروائی اور حفاظت میں کوتاہی کے سبب وہ چیز تلف ہو جائے۔ یہ دو مسائل ہیں اور ہر ایک محتاج دلیل ہے۔ ۱۰

ب: شرعیہ: یعنی شارع کے امر وحکم پر مبنی: عام ازیں کہ شارع کے کسی صریح امر پر مبنی ہو، یا کسی امر کی دلالت پر اس کی بناء ہو یا کسی امر شارع سے وہ ماخوذ ومستنبط ہو۔

ج: عملیہ: اس قید کے ذریعہ اعتقادی مسائل کا نکالنا مقصود ہے۔ مثلاً ایمان کے اصول وفروع کہ یہ دوسرے علم کے موضوع ہیں۔

۲۔ فقہ اسلامی کا دوسرا اطلاق خود ان احکام شرعیہ پر ہوتا ہے اور اسی معنی کی رو سے فقہ کی تعریف یوں کی جاتی ہے کہ اسلامی شریعت کے عملی احکام کے مجموعہ کا نام فقہ ہے۔ (**مجموعة الاحکام العملیة المشروعه فی الاسلام**)

ان احکام کے شرعی ہونے کے ذرائع علم یہ ہیں۔

قرآن کی کوئی صریح نص ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث وسنت کے ذریعہ سے معلوم ہو۔

ازپدرش چه خیری دیدی ......☆...... که ازپسرش ببینی؟

علمائے اسلام کے اجماع سے معلوم ہو۔

یا فقہاو مجتہدین کے اس استنباط سے معلوم ہو، جو کتاب وسنت اور اصول ومقاصد کو ملحوظ رکھ کر کیا گیا ہو۔

ان الحکم الاللہ امر الاتعبدوا الا ایاہ ذالک الدین القیم. (القرآن .سورہ یوسف)

حکم (قانون) اللہ کے سوا کسی کے لیے نہیں۔ اس کا فرمان ہے کہ اس کے سوا تم کسی کی بندگی واطاعت نہ کرو۔ یہی صحیح طریقہ ہے۔

اتبعو ماانزل الیکم من ربکم ولاتتبعوامن دونہ اولیآء . (القرآن .سورئہ اعراف)

پیروی کرو اس قانون کی جو تمہاری طرف تمہارے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے اور اسے چھوڑ کر دوسرے سرپرستوں کی پیروی نہ کرو۔

من یطع الرسول فقد اطاع اللہ . (القرآن .سورہ النساء)

اور جو رسول کی اطاعت کرے اس نے دراصل اللہ کی اطاعت کی۔

وما کان لمومن ولا مؤمنة اذا قضی اللہ ورسولہ امرا ان یکون لھم الخیرة من امرھم .ومن یعص اللہ ورسولہ فقد ضل ضلالا مبینا. (القرآن .سورئہ احزاب)

اور کسی مومن مرد اور عورت کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ اللہ اور رسول جب کسی معاملے میں فیصلہ کردیں تو ان کے لیے پھر خود اپنے معاملہ میں فیصلہ کرنے کا اختیار باقی رہ جائے اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے وہ کھلی گمراہی میں پڑ گیا۔

فقہی احکام کی قسمیں:

ان فقہی احکام کے چھ شعبے ہیں:

۱۔ عبادات: یعنی وہ مسائل جن کا تعلق اللہ تعالی کی عبادت سے ہو۔ مثلا صلوۃ وصوم اور حج وغیرہ۔

۲۔ احوال شخصیہ: وہ مسائل جن کا تعلق انسان کی خانگی وعائلی زندگی سے ہو۔ مثلا نکاح وطلاق وغیرہ۔

۳۔ معاملات: وہ مسائل جن کا تعلق لوگوں کے افعال اور اموال وحقوق میں ان کے آپس کے معاملات اور نزاعات کے فیصلوں سے ہو۔

۴۔ عقوبات: وہ مسائل جن کا تعلق مجرمین کی سزا اور داخلی نظم ونسق سے ہو۔

۵۔ سیر: وہ مسائل جن کا تعلق جہاد وقتال سے ہو۔

۶۔ آداب: وہ مسائل جن کا تعلق اخلاق ومحاسن سے ہو۔

مادی بھی اور روحانی بھی:

متذکرہ بالا سطور سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اسلامی فقہ اپنے اندر مادی وروحانی دونوں طرح کی بھلائیاں

رکھتی ہے۔ کیونکہ اسلامی شریعت دین دنیا دونوں کے معاملات کو خیر وصلاح پر استوار کرنے کے لیے آئی ہے۔
یہی وجہ ہے کہ اسلامی فقہ دنیا کے دوسرے قوانین سے ایک ممتاز حیثیت رکھتی ہے، حتی کہ اس قسم یعنی معاملات میں بھی یہ فقہ اسلامی اپنے الگ تصورات ونظریات اور اپنی ایک مستقل شان رکھتی ہے، جس کا تعلق صرف دنیوی امور سے ہے، اور ان کے ساتھ کوئی دینی صفت وابستہ نہیں ہوتی بلکہ اقوام وملل خود اپنے مصالح وحالات کے لحاظ سے ان کے متعلق قوانین وضع کرتی ہیں، کیونکہ دنیا کے دیگر قانون سازاداروں کے وضع کردہ قوانین میں حلال وحرام کا کوئی لحاظ نہیں رکھا جاتا اور نہ معاملات کے باطنی امور کا اعتبار ہوتا ہے، بلکہ صرف ظاہری حالات ومصالح قومی کا خیال کیا جاتا ہے، پس جو چیز قانون کے دائرہ میں آ گئی اور حکام نے جو فیصلہ کر دیا۔ وہ حق ہے اور جو ایسا نہیں وہ حق نہیں۔

بخلاف اس کے فقہ اسلامی کی بنیاد میں حلال وحرام کی تمیز داخل اور وہ انسان کے باطنی حالات کی بھی نگران ہے اور ہر عمل میں وہ انسان کو اس جانب متوجہ کرتی ہے۔

یہ اور بات ہے کہ عدالتی فیصلوں اور اجرائے احکام میں صرف ظاہری صورت حال پر اکتفا کی جاتی ہے، اور اسی پر اکتفا کی جاسکتی ہے۔ لیکن اگر کسی برسرباطل فریق کے موافق ظاہری اسباب وعلل کی بنا پر فیصلہ کر دیا جائے۔ مگر حقیقت نفس الامری اس کے خلاف ہو، تو قاضی کا فعل قضا تو حق ہوگا لیکن حقیقت واقعیہ کے لحاظ سے فیصلہ ناحق ہوگا۔ مثلاً مدعی جھوٹی شہادتیں گذار دے یا مقدمہ دائر کرنے کی مقررہ میعاد گذر جائے۔ اس بنا پر عدالت مقدمہ خارج کر دے، غرض اگر قضا کے ظاہری ثبوت وشرائط کی بنا پر فیصلہ حقیقت واقعیہ کے خلاف دیا جائے تو ایسی صورت میں اگرچہ فیصلہ ظاہری طور پر نافذ ہو جائے گا، مگر جس فریق کا فی الواقع جو حق ہے، وہ اصلاً باقی رہے گا، حلال حرام سے اور حرام حلال سے تبدیل نہ ہو جائے گا۔ تا آنکہ شریعت کی نظر میں فی الواقع جو سبب صحیح ہو، اس کی کاروائی نہ ہو۔

اس باب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اصل وبنیاد کی حیثیت رکھتا ہے: کہ:

’’میں بشر ہوں تم اپنے نزاعات میرے پاس لاتے ہو، ہوسکتا ہے کہ تم میں سے کوئی فریق دوسرے سے زیادہ بہتر گفتگو کرسکتا ہو، اور اس کی چرب زبانی فریق ثانی کے واقعی وحقیقی حق پر وہ ڈال دے، تو میں اگرچہ اس چرب زبان فریق کی طاقت لسانی سے متاثر ہو جاؤں گا اور ظاہری حالات وامور دیکھ اور سن کر اس فریق کے حق میں فیصلہ دے دوں گا۔ لیکن میرا فیصلہ اس فریق کے حق میں آگ کا انگارہ ہوگا، اب یہ اس کا کام ہے کہ وہ (نتائج سے بے پرواہ ہو کر) اس انگارہ کو لے لے یا اسے چھوڑ دے۔

پس ایسی صورت میں جبکہ قضا کے ظاہری اسباب وشرائط پورے ہو جائیں اور قاضی حق تک پہنچنے کے لیے ایماندارانہ طور پر اپنی سعی پوری کوشش کر کے فیصلہ دے دے، مگر اس کا فیصلہ حقیقت واقعیہ کے خلاف ہو تو اس

کے فیصلہ کا فعل تو حق ہوگا، مگر وہ فیصلہ اپنی اصل کے لحاظ سے ناحق ہوگا اور دین وشریعت کی نگاہ میں وہ باطل ہی رہے گا اور چونکہ وہ عنداللہ ناحق ہوگا اور وہ برسر باطل فریق، جس کے موافق فیصلہ ہوا ہے، چونکہ خود اس پر حق روشن ہوگا۔ اس لیے اس کا دینی تقاضا اور شریعت کا اس سے اصل مطالبہ یہی رہے گا کہ وہ اس آگ کے انگارے کے نتائج بد سے اپنے کو بچائے۔ کیونکہ یہ فیصلہ اسے عنداللہ باز پرس سے نہ بچا سکے گا۔

احکام کے دو رخ:

اسی لیے معاملات کے احکام سے متعلق دو اعتبارات ہیں۔ ایک کا تعلق تو فیصلہ وقضا سے ہے اور دوسرے کا حقیقت نفس الامری ہے۔

قضائے قاضی میں تو عمل یا حق کے صرف ظاہری حالات وصور پیش نظر رہتے ہیں، لیکن نفس الامری محاکمہ میں حقیقت واقعیہ کا لحاظ ہوتا ہے۔

پس، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ امر واحد اور ایک ہی عمل کا حکم متذکرہ بالا دو اعتبارات کے نقطہ نظر سے ایک دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔ مثلاً کسی نے اپنی بیوی کو خطاء طلاق دے دی، یعنی غلطی سے اس کی زبان پر طلاق کا لفظ جاری ہوگیا یا وہ کوئی ایسا لفظ کہہ بیٹھا جس سے طلاق واقع ہوجاتی ہے۔ مگر اس کا قصد وارادہ اور اس کی نیت طلاق ہوجانے کا ہوگا، مگر نفس الامر میں طلاق واقع نہ ہوگی اور ایک مفتی ایسے موقع پر احتمال کا لحاظ کرتے ہوئے اس شخص کی ذمہ داری ونیت پر فتوی کو معلق کرتے ہوئے اس کی بیوی کو اس کے پاس رہنے کے جواز کا فتوی دے سکتا ہے۔ اسی طرح مثلاً کسی نے اپنے مقروض شخص کو اپنے قرض سے بری کردیا، لیکن اس کے معاف کئے جانے کی اس مقروض کو خبر نہ ہوئی۔ پھر قرض دینے والے شخص نے اپنے اس مقروض پر اپنے قرض کا دعوی کردیا اور اپنے معاف کردینے کو چھپائے رکھا اور فیصلہ اس کے حق میں ہوگیا تو یہ فیصلہ تو نافذ ہوجائے گا اور قرض دار کو قرض ادا کرنا پڑے گا مگر یہ از روئے قضا ہوگا نہ کہ از روئے دیانت ونفس الامر۔

قاضی اور مفتی کے دائرہائے عمل:

یہی وجہ ہے کہ بکثرت شرعی احوال وکوائف میں قضا کا دائرہ کار فتوی کے میدان عمل سے مختلف ہے اور ایک قاضی کا عمل مفتی کے عمل سے جداگانہ نوعیت رکھتا ہے۔ ایک قاضی اعمال واحکام کے باب میں صرف قضا کے شرائط واعتبارات پر گامزن ہوتا ہے اور باطنی حقیقت کو نہیں دیکھتا، لیکن ایک مفتی حقیقت واقعیہ سے بحث کرتا ہے اور صورت معاملہ کے ظاہر وباطن سارے گوشوں اور پہلوؤں کو نگاہ میں رکھتا ہے، لہٰذا اگر ان دو جہتوں میں اختلاف ہوتا ہے تو پھر وہ دیانت ونفس الامر کے مطابق فتوی دیتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ فقہاء اکثر مسائل کی تصویر کشی وتعیین کرتے ہوئے اس بات کا تذکرہ کرتے ہیں کہ ایسی صورت میں قضا کے نقطہ نظر سے تو اس کا یہ حکم ہے اور دیانت ونفس الامر کی رو سے اس کے خلاف اس کا حکم یہ ہے۔

آنچہ زخم زبان کند بامرد...... ☆...... زخم شمشیر جان ستان نکند

مثلاً کوئی قرض دار کے اپنے ذمہ جو قرض ہے، اس سے انکار کر بیٹھتا ہے اور قرض دینے والا عدالت میں قاضی کے روبرو اپنے قرض دینے کا ثبوت پیش کرنے سے قاصر ہے، اس لیے وہ عدالت کا دروازہ نہیں کھٹکھٹاتا، لیکن اتفاقاً ایسا ہوتا ہے کہ اس مقروض کے مال پر قرض دینے والے کو تصرف کرنے پر کسی طرح قدرت حاصل ہوگئی، تو دیانتی فتوی وحکم اس کی اجازت دیتا ہے کہ وہ اس کے مال میں سے اپنے قرض کی مقدار کے مساوی لے لے۔ بغیر اس کے کہ قرض دار سے اس کی اجازت حاصل کرے یا اس کے علم میں لائے۔

لیکن اگر معاملہ عدالت میں قاضی کے سامنے پیش ہوگا تو قاضی اس طرح کے اخذ مال کی اجازت نہیں دے گا ، کیونکہ وہ اپنے حق کو ثابت کرنے سے عاجز رہے گا۔

یہیں سے یہ بات روشن ہوجاتی ہے کہ اپنے دعوی کے ثبوت وشہادت پیش کرنے سے مدعی کے عاجز رہنے کی صورت میں مدعا علیہ پر یمین (حلف وقسم) کا اصول شریعت نے کسی مصلحت کی بنا پر ادا کس حکیمانہ غرض سے مقرر کیا ہے۔

غرض، آج جو ہم دیکھتے ہیں کہ اقوام وملل اپنے اجتماعی نظام میں محض مادی نقطہ نظر سے حقوق کی حفاظت کی غرض سے اپنی عقل وفراست کی انتہائی قابلیتیں صرف کرکے قوانین بناتی ہیں، مگر اس کے باوجود جور وزیادتی کے رخنے بند نہیں ہوتے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ان کے وضع قانون کے زاد پیمائے نگاہ ان گوشوں کی سمت نہیں جاتے جن سے اسلامی فقہ مالا مال ہے اور دنیا کی اس محض مادی نقطہ نظر سے قانون سازیاں اس امر کی استطاعت نہیں رکھتیں کہ حقوق کی کما حقہ، حفاظت کرسکیں۔ اس کی تو صرف اسلامی فقہ ضمانت دیتی ہے جس میں مادی وروحانی دونوں حیثیتوں کا بدرجہ اتم لحاظ ہے اور جو ہر ہر قدم پر عنداللہ باز پرسی اور تقوی کا تصور دیتی ہے اور زندگی کے ہر دائرہ عمل میں متنفس کو ہر مرحلہ پر دین وشریعت کے تقاضوں اور مطالبات کے تکمیل کی تاکید کرتی ہے۔

اسلامی فقہ کے ماخذ ومصادر:

ہم پہلے بیان کرآئے ہیں کہ فقہ اسلامی میں احکام شرعیہ کی بنا یا تو قرآن پر ہوتی ہے یا سنت پر، یا پھر علمائے اسلام کے اجماع پر ان کا مدار ہوتا ہے یا فقہاء ومجتہدین کے ایسے استنباط سے روشنی حاصل کی جاتی ہے، جو کتاب وسنت اور اصول ومقاصد شریعت کو ملحوظ رکھ کر کیا گیا ہے۔ اس صورت حال کی بنا پر علماء نے فقہ کے چار ماخذ شمار کرائے ہیں۔ (جاری ہے)

الجواب اللين يصرف الغضب ......☆...... زبانِ خوش، مار را از سوراخش بیرون می کشد